فکر و نظر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ

مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے لیے کافی ہے یا نہیں، یہاں بھی اور وہاں بھی؟ زندگی کے جتنے شئون اور احوال و ظروف ہیں، وہ دینی ہوں یا دنیوی، معاشرتی ہوں یا معاشی، سیاسی ہوں یا اخلاقی، روحانی ہوں یا مادی، ان سب پہلوؤں اور صورتوں میں وہی ذات یکتا اور دانا ہمیں بس کرتی ہے یا دنیائے ہست و بود میں کوئی ایسا گوشہ بھی ہے جہاں خدا کوئی نہ ہو، ہو تو کوئی اور ہو اور وہاں رب العلمین کی قدرتوں کی ڈور کے لیے رسائی ممکن ہی نہ ہو، یعنی اب وہاں بات مقامی صوابدید اور مقامی قوتوں کے حوالے ہو رہی ہے؟

مثلاً سیاسی مسئلہ پیش آجائے تو اپنی قومی یا کسی ذیلی اسمبلی کی طرف رجوع کیا جائے، فریاد کرنے کی نوبت آئے تو کسی سیاسی رہنما کے دروازہ پر دستک دی جائے؟

کوئی معاشی گتھی الجھ جائے تو اسے مزدک کی روح، مارکسی ذریت، یا لینن اور سٹیگل کی معنوی اولاد سے "المدد" کہنا چاہیے؟

آفاتِ سماوی کی یورش سے ملک اور قوم کی جان پر بن جائے تو کاسۂ گدائی لے کر اقوامِ عالم سے بھیک مانگ کر کام چلایا جائے۔

انفرادی یا اجتماعی کوئی دھندا درپیش ہو، تو اس کے لیے اپنے چودھری کے بابِ عالی کے طواف شروع کر دیے جائیں یا کسی مشہور بزرگ کی خانقاہ کے سامنے ہاتھ پھیلا کر فریاد کی جائے، اہلِ مزار اور اہلِ قبور سے اپنی بپتا کہی جائے؟

گو بظاہر ایسی جرأت کوئی شخص اور طبقہ نہیں کر سکے گا کہ وہ خدا سے بے نیازی اور اپنی مدد آپ کا اعلان بھی کرے تاہم یہ ایک واقعہ ہے کہ اہلِ دنیا کا جو تعامل دیکھنے میں آتا ہے اس سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ:

تنہا خدا پر قناعت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، اس لیے آپ دیکھتے ہیں کہ انسان کبھی اس کی طرف دیکھتا ہے اور کبھی اس کی طرف، کبھی ادھر لپکتا ہے اور کبھی ادھر اور یوں سر مارتا پھرتا ہے

جیسے اس کا خدا کوئی نہ ہو۔ علامہ اقبال نے کیا خوب کہا تھا:

در عرب گردیدم و ہم در عرب
مصطفیٰ نایاب و ارزاں بولہب

"میں عجم میں بھی پھرا اور عرب میں بھی گھوما (پر دیکھا کہ) مصطفیٰ بالکل نایاب اور ابولہب ارزاں ہی ارزاں۔"

آپ حیران ہوں گے کہ اگر کسی سے کہا جائے کہ:

اپنی زندگی کے جتنے مسائل ہیں، ان کو قرآن و حدیث کی روشنی میں حل کیجیے! اور اپنے نفس و طاغوت یا دوسری اقوام کے طرزِ حیات پر فدا ہونے کے بجائے، خدا اور اس کے رسول کی رہنمائی پر بھروسہ کیجیے! ہر معاملہ میں اور ہر پہلو سے اسی ذات واحد پر تکیہ کیجیے! تو وہ یوں محسوس کرتا ہے جیسے ہم نے اسے کوئی گالی دی ہو اور جن کی عقیدت کے بت اس کی آستینوں میں ہوتے ہیں، ان کے بارے میں بھی اسے ایک گستاخانہ تلمیح تصور کر لیتا ہے اور اس سے اس کا دل بھینچنے لگ جاتا ہے۔ صدق اللہ ورسولہ۔

وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ (پ ۲۴۔ الزمر ع ۵)

"اور جب اکیلے خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ خدا کے سامنے جوابدہی کے دن (آخرت) پر یقین نہیں رکھتے (تو) ان کے دل بھینچنے لگتے ہیں۔"

ہاں اگر ذاتِ پاک کی بات چھوڑ چھاڑ کر کسی دوسرے کا ذکر آ جاتا ہے تو ان کے دل باغ باغ ہو جاتے ہیں:

وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ (ایضاً)

"اور جب خدا کے سوا دوسروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو بس یہ لوگ خوش ہو جاتے ہیں۔"

لوگ سوچتے ہوں گے کہ: اللہ نے شاید "ہرجائیوں" کا ذکر کیا ہے؟ مگر یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ آیت میں جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے، وہ ہرجائی نہیں ہیں، یکجائی ہیں اور بالکل یکسو ہیں، لیکن خدا کے معاملہ میں نہیں، نفس اور طاغوت کے سلسلے میں، دین کی حد تک ان میں بعض دینی اعمال کا جو رنگ دیکھنے میں آتا ہے، وہ زیادہ تر "مزہ اور ذائقہ" بدلنے والی بات ہوتی ہے، کیونکہ جیسا کچھ اور جتنا کچھ دینی اقدار کا ان کے ہاں چلن اور رواج نظر آتا ہے، اس سے ان کے نفس و طاغوت کی بنیادی دلچسپیوں میں کوئی فرق نہیں آتا۔ صرف "فریبِ نفس" کی افیون انھیں مل جاتی ہے جس کے ذریعے

ان کو ایک گونہ تسکین حاصل ہو جاتی ہے کہ شیطان کی معیت کی وجہ سے "رحمٰن" کو ان کے ساتھ رہنے میں کوئی اجنبیت محسوس نہیں ہوتی، گویا کہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی سیاست میں کامیاب رہے ہیں کیونکہ

ع رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

یہی وجہ ہے کہ عرب میں ایک بت پرست طبقہ اس لیے اپنے آپ کو "حنیف یا حنفاء" کہلانے پر اصرار کرتا تھا کہ وہ کعبہ کا حج بھی کر لیتا تھا اور ختنہ بھی کرا لیتا تھا، ان کے نزدیک صرف اتنی سی بات سے وہ دین ابراہیمی کے حامل اور متبع کہلا سکتے ہیں۔

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

یہی کچھ آج ہو رہا ہے بلکہ اس سے بھی بدتر حالت میں کیونکہ ان کے ہاں حج تو ایک بات تھی۔ یہاں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ مسلم کی مسلمانی کے لیے اب صرف اتنی سی بات کافی ہے کہ (۱) وہ مسلمان کے گھر میں پیدا ہو گیا ہو (۲) ختنہ کرایا ہو (۳) اور گائے کا گوشت کھا سکتا ہو۔ اس کے بعد ان کو یہ فکر نہیں رہتی کہ وہ رسولؐ کے ساتھ ہیگل اور مارکس کا بھی کلمہ پڑھتا ہے، سوشلسٹ ہو جائے یا سود خوار نماز کا تارک ہو یا روزہ خور، فیصلے اللہ اور اس کے رسولؐ کے قبول کرے یا دشمنان خدا اور رسولؐ کے، ان کی مسلمانی میں بہرحال کوئی فرق نہیں آتا۔ اب آپ یہ خیال فرمائیں کہ اگر اس کا نام "دین" ہے تو کیا یہ صرف "ذائقہ اور مزہ" بدلنے والی بات نہیں ہے؟ بلکہ ہم نے دیکھا ہے کہ اس باب میں لوگ جس قدر کفر اور باطل کے سلسلے میں مخلص اور جذباتی ہو رہے ہیں ان کا ہزارواں حصہ بھی اسلام کے سلسلے میں وہ مخلص نہیں رہے۔ نام نہاد مسلم تو صرف اس لیے مسلمان کہلاتا ہے کہ وہ مسلم کے گھر میں پیدا ہوا ہے یا صرف ضمیر کی خلش کو دور کرنے کے لیے اپنے لیے ایک فریب نفس تشخیص کر لیا ہے تاکہ اپنی اندرونی کشاکش سے نجات پا سکے۔ ورنہ یہ ایک واقعہ ہے کہ اسے اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں رہا، جتنا ہے اسے آپ اسلام کے "واہمہ" سے تعبیر کر سکتے ہیں، کیونکہ یہ ظالم لوگ، مسلمانی کے مفہوم سے آشنا نہیں، "اسلام" اپنے آپ کو پورا پورا اور بالکل مکمل خدا کے حوالے کرنے کا نام ہے مگر ہمارے ہاں صرف نام ہی نام ہے، باقی اللہ ہی اللہ۔

اس خام مسلمانی کا اصل سبب یہ ہے کہ چونکہ اسلام کو قبول کر لینے کے بعد، انسان اپنا خدا آپ نہیں رہتا، شتر بے مہار جیسے اسلوب حیات کے لیے ابن آدم کو کھلی چھٹی نہیں ملتی اس لیے غیر شعوری طور پر اس کے دماغ میں یہ بے اطمینانی گھر کر گئی ہے کہ: اسلام سے آسودگی مل بھی سکتی ہے یا نہیں۔ وہ سمجھتا ہے کہ اسلام صرف "پابندی ہی پابندی" کا نام ہے، راحت جان کے اس میں سامان

نہیں ہیں۔ حالانکہ سوچنے کا یہ انداز ہی بالکل غلط ہے۔ کتاب و سنت ہمارے سامنے ہیں، وہ ببانگ دہل اعلان کر رہے ہیں کہ طمانیت اور سکون جیسی متاعِ بے بہا نام کی جو چیز ہے وہ صرف خدا کے ہاں سے ملتی ہے اور بس! یقین کیجیے! خدا اور اس کے رسول کی رہنمائی کے بعد اور کسی کی کچھ بھی ضرورت نہیں رہتی، جیسے وہ یکتا ہے ویسے وہ یکہ و تنہا کافی بھی ہے اور وافی بھی، زندگی کی کوئی الجھن درپیش ہو یا دنیا کا کوئی دھندا، حیاتِ مستعار کا کوئی فطری داعیہ ہو یا کائناتِ بشری کا کوئی قدرتی تقاضا، ان سب کے لیے اس کی جناب سے مدد ملتی ہے، رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ سنبھالا ملتا ہے اس لیے اس نے بندوں سے خود ہی مطالبہ کیا ہے کہ مجھ پر ہی تمہیں اعتماد اور بھروسہ کرنا چاہیے اور میری ہی چارہ سازی اور کارسازی کو کافی سمجھنا چاہیے!

قُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ عَلَیْهِ یَتَوَکَّلُ الْمُتَوَکِّلُوْنَ (پ۔ زمر ع)

"اعلان کر دیجیے! مجھے خدا کافی ہے اور بس کرتا ہے (پر یہ) بھروسہ (وہی) کرتے ہیں جو (اس پر) اعتماد رکھتے ہیں۔"

یعنی بات اعتماد کی ہے جن کو خدا پر اعتماد ہے، وہ تو کارسازِ حقیقی کا در چھوڑ کر کسی دوسرے دروازہ کی طرف جاتے نہیں ہیں اور جن کا دل اس اعتماد سے خالی ہے، اس کے لیے تنہا اور اکیلے خدا پر قناعت کرنا ہی مشکل ہے۔

جب انسان اسلام میں داخل ہوتا ہے تو اس سے سب سے پہلے جن الفاظ میں اقرار اور حلفِ وفاداری لیا جاتا ہے، وہ مشہور و معروف کلمہ

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

ہے ——— خدا کے اقرار سے پہلے یہ مطالبہ کہ: "اور کوئی خدا نہیں" کا پہلے اعتراف کیا جائے تو اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ جب خدا کے حضور پہنچے ہیں تو اب اپنا جائزہ لے لیجیے کہ: دوسرا اور کوئی بتِ طناز تو بغل میں دبا کر نہیں پہنچے، اگر یہ بات ہے تو پھر حکم ہوتا ہے کہ: واپس پلٹ جائیے! ہمیں آپ کی یاری پسند نہیں ہے۔

انجمن حمایت اسلام لاہور کے نویں سالانہ جلسہ میں راقم الحروف کے شیخ الشیخ اور معروف مترجم قرآن مولانا ڈپٹی نذیر احمد دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "توحید" کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے ایک فکر انگیز تصور اور معنی خیز بات کہی تھی، جسے مدتوں ہوئے پڑھا تھا، مگر وجد آور کیف کا وہ سماں ابھی ذہن میں تازہ ہے جو اول مرحلے پر پڑھتے ہی محسوس ہوا تھا وہ فرماتے ہیں:-

"جب اس طرح اسباب ظاہر کو، اور اسباب ظاہر کی تخصیص بھی کیا کروں؟ بلکہ ماسوی اللہ کو انتظام دنیا سے بے دخل محض سمجھو گے تب تم کو

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ

کے معنی معلوم ہوں گے۔"

ایک مردِ قلندر اور بندۂ حنیف نے اسے یوں بیان کیا تھا:

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
کہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

یعنی خدا کی طرف رخ کرنے سے پہلے یہ عہد ہونا چاہیے کہ خدا کی طرف رخ کر لینے کے بعد، وہ اب پلٹ کر پیچھے کی طرف یا ادھر ادھر نہیں دیکھے گا، کیونکہ وہ "اللہ" تنہا ہی کافی ہے، سب کو کافی ہے اور ہر اعتبار سے کافی ہے۔ وہ سب کی سنتا ہے اور اکیلا ہی سب کی بگڑی بناتا اور سنوارتا ہے جو چاہیے وہاں سے ملے گا اور جتنا چاہیے اوہی دے گا — لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے یہی معنی، یہی رمز اور یہی تلمیح ہے، اس تفصیل کے بعد آپ سے حق تعالیٰ پوچھتے ہیں:

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ (پ۲۴ - زمر ع۴)

"(فرمایئے) کیا (تنہا) خدا اپنے بندے (رسول) کے لیے کافی نہیں ہے۔"

بہرحال ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ: جناب! آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کی ذات والا صفات، اس کے احکام اور نظام اسلام آپ کے لیے کافی نہیں ہیں؟ کیا اس میں آپ کے روگوں کے لیے شفا کی پڑیہ نہیں ہے، اللہ میاں نے آپ کی دنیا اور آخرت کی سرفرازی کے لیے جو تجویز فرمایا ہے؟ کیا وہ آپ کو کافی نہیں ہے؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو پھر ادھر ادھر کیا دیکھتے ہو؟ سیدھے رُخ اپنے خدا کی طرف کیوں نہیں چلتے، کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کا دین "دینِ حنیف" ہے، جس کا مفہوم ہی رب کے لیے یکسوئی ہے اور جس پاک ہستی کے آپ امتی کہلاتے ہیں، اس کا تعارف بھی یہی پیش کیا گیا ہے کہ:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى (پ۲۷ - النجم ع۱)

"(عالم ملکوت کی سیر میں بھی) ان کی نظر نہ (کسی طرف کو) بہکی اور نہ (جگہ سے) اچٹی۔"

اب آپ غور فرمائیں! جہاں صورتِ حال یہ ہو کیا وہاں کسی مرحلہ پر بھی اگر آپ کی اس "یک بینی" یکسوئی اور یک جہتی" میں کوئی فرق آگیا تو کیا آپ نے اپنے کلمہ کی شرم رکھی اور اپنے پاک پیغمبر ﷺ کی راہ لی؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر سوچ لیجیے! کل آپ کی اس دو رُخی کا کیا حشر ہوگا؟